راجو اور نواب دل

کومل ذیشان

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

راجو اور نواب دل

کومل ذیشان

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول "راجو اور نواب دل" کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ Paksociety.com اور مصنفہ (کومل ذیشان) محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

نوٹ:راجو اور نواب دل صرف پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے لئے لکھا گیا ہے۔

آسمان پر اڑتی چیل کی آواز عصر کی زرد اداسی کو چیر رہی تھی۔راجو نے دونوں آنکھیں چھوٹی کر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھا چیں۔۔۔چیں پھر منہ سے چیل کی آواز نکالنے کی کوشش کی۔ابھی سر منڈوائے دو ہفتے ہی ہوئے تھے نئے بال سر پر چیونٹیوں کی طرح لگتے تھے۔سر صحیح طرح بیٹھا نہ ہونے کے باعث پیچھے سے نوک دار تھا اور اس وقت مٹی سے اٹا پڑا تھا۔اسکے منہ ،ہاتھ اور کپڑوں کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے چھت پر کھیل رہا ہے۔ابھی کچھ دیر پہلے کہیں سے پتنگ کٹ کر چھت پر گری تھی اس کے لال،ہرے ٹکڑے اب ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔پتنگ کو اڑانے کی کوشش میں وہ پھاڑ بیٹھا تھا۔ پتنگ پھاڑنے کے بعد اس نے ڈور کو کاغذ پر لپیٹ کر پنّہ بنانے کی کوشش کی مگر یہ کوشش بھی بیکار گئی تھی۔ ساری ڈور الجھ گئی تھی، کچھ دیر وہ الجھی ہوئی ڈور کے گچھے میں سرا ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا دوو۔۔۔دا۔۔دی۔۔۔پھر کچھ بڑبڑا کر اس نے اس کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔

"گولے گنڈے والا۔۔۔۔ گولے گنڈے والا۔" اتنے میں گلی میں مانوس سی آواز گونجنے لگی۔روز اس وقت گولے والا ان کی گلی میں آیا کرتا تھا۔وہ بھاگ کر باہری دیوار کے پاس گیا اور پاؤں کے انگوٹھوں پر کھڑا ہو کر نیچے جھانکا۔سبز زنگ آلود مشین سے سفید برف پس پس کر نکل رہی تھی۔گولے والے نے پسی ہوئی برف کو ہاتھوں میں لیکر گولا بنایا پھر اس میں ڈنڈی پھنسا دی۔راجو بڑی دلچسپی سے روز کی طرح اس کے ہاتھوں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے لگا اب وہ ایک ہاتھ میں گولا تھامے دوسرے ہاتھ سے بوتل ہلا کر سرخ رنگ کا شربت گولے پر ڈال رہا تھا۔سرخ رنگ برف پر پڑتے ہی جذب ہونے لگا۔اس نے درمیان میں گول دائرہ سفید چھوڑ دیا تھا سرخ رنگ کے شربت کے بعد اس نے دائرے میں سبز رنگ ڈالا۔راجو کی آنکھوں میں سرخ اور سبز دائروں کا وہ ڈیزائن ثبت ہوا تھا اس نے بے اختیار سر موڑ کر پھٹی پتنگ کے سرخ،سبز ٹکڑوں کو دیکھا اور پھر دوبارہ نیچے دیکھنے لگا۔گولا سامنے کھڑے بچے کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا جبکہ وہ آدمی اس سے لیے پیسے اپنی جیب میں ڈال رہا تھا۔بچے نے گولا ہونٹوں سے لگایا اور چوسنے لگا۔

"بھ بھ بھوک۔۔۔ڑڑ۔" بے اختیار اس کے منہ میں پانی بھر آیا، کئی گھنٹوں بعد بھوک کا احساس ہوا تھا۔ وہ فوراً نیچے ہوا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"ام۔۔۔اماں۔۔۔بھوک۔۔۔ڑڑ۔" اس کی نظر چلتے ہوئے اپنے دائیں پاؤں کے انگوٹھے پر پڑی تھی وہاں سے ہلکا ہلکا خون بہہ رہا تھا۔ اس نے رک کر انگوٹھے سے نکلتے خون اور پتنگ کے سرخ رنگ کے ٹکڑے کا موازنہ کیا اور پھر بھوک بھوک کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا حالت ہوئی ہوئی ہے۔" اس کی حمزہ جو ابھی ابھی تھکا ہارا آفس سے آیا تھا صحن میں لگے بیسن میں منہ دھو رہا تھا راجو کی طرف دیکھ کر بولا۔ راجو اس کو دیکھتے ہی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اسکی طرف آیا اور اس سے لپٹ گیا۔

"فائزہ یہ راجو کی کیا حالت ہو رہی ہے۔" فائزہ کے نہ سننے پر وہ دوبارہ بلند آواز میں بولا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ جو باورچی خانے میں اس کا کھانا گرم کر رہی تھی جھنجھلا کر باہر نکلی راجو کی حالت دیکھ کر اسکا دماغ ابل پڑا تھا۔

"بھو۔۔۔ک۔" راجو ماں کو دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھا۔

"ابھی صبح نہلایا تھا اسے۔" اس نے راجو کو سر سے پاؤں تک مٹی سے لتھڑا ہوا دیکھ کر گال پر تھپڑ رسید کیا وہ بلبلا کر رہ گیا تھا۔

"فائزہ بچہ ہے وہ۔۔۔اس کو کیا پتا۔۔۔ چھت پر جانے ہی کیوں دیتی ہو؟" حمزہ چیخ پڑا تھا جبکہ راجو اب گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا۔

"تو تمہارے خیال میں مجھے کچھ وقت آرام کی ضرورت نہیں ہے؟ میں مشین ہوں جس کو تھکاوٹ نہیں ہوتی۔۔۔" حمزہ کی بات پر اسے جیسے آگ لگ گئی تھی۔

روتے ہوئے راجو کے بڑے بڑے، آڑھے ٹیڑھے زرد دانت مزید نمایاں ہو رہے تھے فائزہ کو ایک پل کے لیے لگا سارے صحن میں اس کے دانت پھیل گئے ہوں۔ ان سے اٹھتے بدبو کے بھبھوکے اتنی دور سے وہ محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے دیکھا حمزہ بھی اس کے دانتوں سے اٹھتی بو سے ناگواری محسوس کر رہا تھا۔

"آج سارہ اور نیہا کو ٹرپ پر جانا تھا اس لیئے برش نہیں کروا سکی۔" اسے وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی جبکہ اس کے دانتوں کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے کافی عرصے سے برش نہ کروایا ہو۔ تقریباً ہر دانت میں کیڑا لگا ہوا تھا۔ حمزہ اسے یہ بات کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"اتنی لاپرواہی کیوں برتتی ہو اسکی طرف سے؟" حسن کو دکھ ہوا تھا۔اس کے بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ ایک بار پھر فائزہ کے دل کو آگ کی لپٹوں نے گھیر لیا۔

"سارا دن جانوروں کی طرح کام کرو، گھر سنبھالو اور پھر یہ۔۔۔ یہ صلہ ملتا ہے اگر کہیں کوئی کمی نظر آتی ہے تو تم پوری کیوں نہیں کر دیتے دیکھ رہے ہو اگر میں برش کروانا بھول گئی ہوں تو تم کروا دو۔ جانتے تو ہو تم پچھلے دو دن سے کام والی بھی چھٹی پر ہے۔۔۔ چپ کر۔" اس نے اونچا اونچا روتے راجو کو کندھوں سے پکڑ کر جھٹکتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ حسن جواب میں گہری سانس لیکر رہ گیا۔

یہ سچ تھا کہ پچھلے دو دن سے ،صفائی، کھانا پکانا، بچوں کی پڑھائی گھر کے کاموں کا اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اس پر کہ اسے اپنی کنگی کرنے کا بھی موقع نہیں مل پا رہا تھا۔

"گھر کے کاموں سے زیادہ بچوں پر توجہ ضروری ہے، کام میں کمی بیشی رہ جائے کوئی بات نہیں مگر بچوں کی طرف سے کوتاہی صحیح نہیں ہے۔" فائزہ کو ہر بار کی طرح حمزہ کا اس طرح نصیحت کرنا برا لگا تھا۔ اس پل راجو نے آسمان پر چمکتے اداس سے سورج اور ماں کے چہرے کا موازنہ کیا تھا۔ حمزہ نے کھینچ کر اس کو اپنے ساتھ لگا لیا وہ ابھی بھی آنسو روکنے کی کوشش میں زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ فائزہ اس کی بات پر غصے سے پاؤں پٹختی باورچی خانے میں چلی گئی۔

"خود کو میری جگہ رکھ کر سوچے کوئی تب میری اذیت کا اندازہ ہو نا۔" کھانا لانے تک وہ مسلسل اونچی آواز میں بڑبڑاتی رہی تھی۔

"صبح سے اب فارغ ہوئی تھی اور اس منحوس نے سارا موڈ غارت کر دیا میرا۔" کام والی کی چھٹی کے باعث ان دنوں چڑچڑاہٹ مزید بڑھ گئی تھی راجو کو نہلانے کے دوران اس نے دو تین تھپڑ مزید رسید کیے۔ وہ نہانے کے دوران مسلسل اونچی آواز میں روتا رہا تھا جبکہ حمزہ اندر کمرے میں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ اس کے کپڑے بدلا کر بستر پر بٹھایا تو اسے خیال آیا کہ وہ تو صبح سے بھوکا ہے ۔دوسرے کمرے میں جا کر پہلے سارہ اور نیہا کو پڑھنے بٹھایا پھر باورچی خانے میں آ گئی۔ جب تک کھانا لیکر اس کے پاس گئی وہ سو چکا تھا
۔

"پتا نہیں میرے ساتھ ہی کیوں ہوا یہ سب۔" وہ روز ہزار بار تو یہ فقرہ دہراتی تھی۔

"اللہ نے ایک بیٹا دیا وہ بھی ذہنی معذور۔۔۔ میں ہی کیوں۔۔۔ آخر میں ہی کیوں؟ کب تک اور کیسے اس کا بوجھ ڈھوؤں گی میں۔" آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

کتنے ارمان لیکر اس نے اس گھر میں پہلا قدم دھرا تھا۔ شادی کے بعد کی زندگی کے کیسے کیسے سندر سپنے دیکھے تھے۔ حمزہ سے

اس کا رشتہ طے ہونے پر اس کی سہلیاں، کزنز سب اس پر رشک کرتی تھیں۔ اس کو پکا یقین تھا کچھ تو حسد میں بھی مبتلا تھیں۔ وہ فخر اور خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ اگر اس کو پتا ہوتا کہ اس رشتے سے اسے راجو نصیب ہو گا تو وہ کبھی یہ شادی نہ کرتی۔ اسے وہ دن اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ یاد تھا جب اس پر انکشاف ہوا تھا کہ راجو ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے۔ وہ دہل گئی تھی کچھ پلوں کے لیے اس کی ساری حسیات ختم ہو گئی تھیں اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر ڈاکٹر کو جھنجھوڑ دے کہ وہ یہ نہ کہے اسے زندگی بھر کے روگ کی خبر نہ دے۔ کتنا عرصہ اس نے جان بوجھ کر اس بات پر یقین نہیں کیا تھا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جب راجو کی ذہنی معذوری آہستہ آہستہ آشکار ہونے لگی تو وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوتی چلی گئی۔ رحم اسے جانے کیوں راجو سے زیادہ خود پر آتا تھا۔ جب وہ حمزہ کے چہرے پر پھیلی آزردگی اور لوگوں کی دلاسہ دیتی نگاہیں دیکھتی تو دل عجیب سی وحشت کا شکار ہو جاتا۔ اللہ نے اسے راجو کے بعد دو چاند سی بیٹیاں عطا کی تھیں مگر وہ خوش نہیں تھی اس کی بیٹے کی خواہش پوری نہیں ہوئی تھی اور راجو کا وجود اسے لگتا تھا جیسے قدرت نے اس کی خواہش کا مذاق اڑایا تھا۔

"پتا نہیں یہ ایب نارمل بچوں کی شکلیں بگڑ کیوں جاتی ہیں جب چھوٹا تھا تو اچھی بھلی شکل تھی کسی کو پتا بھی نہیں چلتا تھا اب تو دور سے پتہ لگتا ہے کہ ایب نارمل ہے۔" وہ کتنی دیر اسکے قریب بیٹھی اسے تکتی رہی اسکے بغیر کچھ کھائے پیے سو جانے پر دکھ میں گھری کڑھتی رہی۔

"کیوں اتنی اداس ہو۔۔۔" وہ کھڑکی کے ساتھ لگی آسمان پر چمکتے چودھویں کے چاند کو تک رہی تھی حمزہ کی آواز پر چونکی۔ وہ بستر پر بیٹھا لیپ ٹاپ بیگ میں واپس رکھ رہا تھا صبح جو ضروری کاغذات اور فائلیں لیکر جانی تھیں سامنے بستر پر پھیلی پڑی تھیں۔ وہ اداسی سے مسکراتے ہوئے بستر پر اس کے سامنے آ بیٹھی اور یونہی گم صم سی کیفیت میں اس کے کاغذات ترتیب دینے لگی۔

"آج بچیوں کو بھی نہیں پڑھایا تم نے۔" اس نے اس کی گم صم کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"جانتے ہو کل خالہ سعیدہ مجھ سے کیا کہہ کر گئی ہیں۔" اس نے دو گھر چھوڑ کر رہنے والی ہمسائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ کر گئی ہیں۔۔۔" اس نے نرمی سے فائزہ کے ہاتھ سے کاغذ لیکر بیڈ پر رکھے اور اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"یہی کہ معذور بچے کسی گناہ یا بد دعا کا نتیجہ ہوتے ہیں۔۔۔" کہتے ہوئے لہجے میں اداسی کا رنگ گہرا ہوا تھا۔

"یا کسی ادھوری منت کا، ہر وقت استغفار پڑھا کرو۔۔۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

"ٹرپ کیسا رہا سارہ اور نیہا کا؟" خاموشی کا مختصر وقفہ دونوں کے بیچ آیا تھا حمزہ نے ترتیب شدہ کاغذات احتیاط سے بیگ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک تھا کہہ رہی تھیں بہت مزہ آیا ہے۔" وہ اپنا ہاتھ تکتے ہوئے بولی جو کچھ پل پہلے اسکے ہاتھوں میں تھا۔ حسن کے لیے

خالہ سعیدہ کی بات غیر معمولی نہیں تھی آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی بات ان دونوں سے کرتا رہتا تھا کبھی کوئی رشتے دار کبھی کوئی ہمسایہ یا دوست یہ فائزہ ہی تھی جو ہر دفعہ لوگوں کی کہی باتوں کو ایسے محسوس کرتی تھی جیسے انہوں نے پہلی دفعہ کہی ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"جلدی جلدی چل دو دن کی چھٹیاں پہلے ہی ہو گئی ہیں اوپر سے آج بھی اتنی دیر ہو گئی۔۔۔" ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتے نسیم نے چہرے پر آیا پسینہ دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے سلطانہ کو کہا تھا۔ ریلوے لائن کے دائیں جانب جگھی والی بستی تھی جہاں نسیم کی رہائش تھی۔ وہ وہاں شوہر، ساس اور چار بچوں سمیت رہتی تھی۔ اس بار گاؤں اپنے ماں، باپ سے ملنے گئی تھی تو چھوٹی بہن سلطانہ ضد کر کے ساتھ آگئی تھی۔ وہ گاؤں میں اپنے باپ کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتی تھی ان کا گھر کچا صحیح مگر کھلا تھا اسے نسیم کی چھوٹی سی جھگی اور یہ بھانت بھانت کی زبانوں والے انسانوں کی بھیڑ سے بھرا شہر کچھ خاص پسند نہیں تھا مگر وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اس بار یہاں کھنچی چلی آئی تھی۔ جب نسیم پچھلی بار ہو کر گئی تھی تو ہی اس نے طے کر لیا تھا اگلی دفعہ وہ اس کے ساتھ شہر ضرور جائے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اس نے نسیم کے آنے کا پورے ساڑھے پانچ ماہ اور تین دن انتظار کیا تھا روز دن گن گن کر گزارے تھے۔ جب نسیم سے اس نے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو ماں جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی مگر وہ اتنا روئی اور چلائی تھی کہ بلا آخر اسے بھی ہار ماننا پڑی تھی۔ رات کو وہ جھگی کے باہر کھیس بچھائے بھانجے، بھانجیوں کے ساتھ لیٹی تھی۔

"باجی کل میں بھی تیرے ساتھ کام پر جاؤں گی۔" نسیم دن بھر کی تھکی ہاری باہر پڑے گھڑے سے پانی لینے آئی تو سلطانہ اٹھ کر آہستہ سے اسکے کان میں بولی۔

"اچھا چلی چلنا۔" نسیم نے سوچا چلو کام نمٹانے میں آسانی ہو جائے گی۔

"کیا تو اپنی باجی کو کہے گی کہ وہ مجھے وہ کافی پلا دے جس کے بارے میں تو نے پچھلی بار جب تو گاؤں آئی تھی تو بتایا تھا۔" اسی آہستگی سے اس نے کہا تھا۔ نسیم نے پانی کا گھونٹ گلے سے نیچے اتارتے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"کافی۔۔۔"

"ہاں وہ تو نے پچھلی دفعہ بتایا تھا نا کافی پی ہے تو نے جو چائے جیسی ہوتی ہے مگر بہت مزیدار۔

"تو اس لیے تو یہاں آئی ہے میرے ساتھ۔۔۔" نسیم کو یقین نہیں آیا تھا اس نے اپنی تیرہ سالہ بہن کی طرف دیکھا جو اب چہرہ نیچے کر کے کھسیانی ہنسی ہنس رہی تھی۔

"پاگل کہیں کی۔" نسیم کو اس کی عقل پر تاسف ہوا تھا۔ وہ گاؤں سے یہاں تک اماں سے جھگڑ کر، کنڈکٹر کی منت کر کے بس کے دروازے پر بیٹھ کر آئی تھی وہ بھی صرف کافی کا ایک کپ پینے۔

"مجھے کہتی تو میں دلوا دیتی تجھے۔" نسیم نے اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"نہیں میں جانتی ہوں تیرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے اور اماں، ابا تو کبھی یہ فضول خرچی نہ کریں میرے لیے۔ بس میں تیرے ساتھ چلوں گی ان کے گھر تو مفت مل جائے گی۔" وہ بڑے دانشورانہ انداز میں بولی تھی جواب میں نسیم گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

صبح حبس زدہ سی تھی دور تک جاتی ریلوے لائن اداس سی لیٹی آسمان کو تکتی تھی۔ وہ دونوں گرد آلود چپلوں میں تیزی سے قدم اٹھاتی چلتی چلی جا رہی تھیں۔

"یہ یہاں پر ابھی کچھ دن پہلے ایک پاگل گر کر مرا تھا۔" نسیم نے سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر احتیاط سے ریلوے لائن کے درمیان چلتے ہوئے کہا جو اب انڈر پاس پر سے گزر رہی تھی۔

"بیچارہ اس کو پتہ ہی نہیں چلا سامنے سے ریل گاڑی آگئی اور وہ گھبرا کر نیچے گر گیا۔ وہ دیکھ نیچے سامنے دیوار پر اب تک اسکے خون کے چھینٹے ہیں۔" سلطانہ نے دیوار کی طرف دیکھا اسے ابکائی سی آگئی۔ تو پھر تو کیوں آتی ہے ادھر سے سلطانہ کو یکدم خوف آیا تھا۔

"یہاں سے راستہ چھوٹا پڑتا ہے نا اس لیے۔" سلطانہ نسیم کے جواب پر فقط اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اس سے یاد آیا وہاں دھیان کرنا باجی کا بیٹا، راجو نام ہے اس کا وہ بھی پاگل ہے، کچھ الٹا سیدھا نہ بول دینا باجی کے سامنے۔"

"میں دھیان کروں گی فکر نہ کر باجی۔" وہ تیز تیز ساتھ چلتے ہوئے پھولی ہوئی سانس سے بولی نسیم کی رفتار سے مقابلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد پھاٹک آگیا جہاں سے انہیں مڑنا تھا مڑنے سے پہلے سلطانہ نے دیکھا کچھ بچے سکے لائینوں پر رکھے ریل گاڑی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے یہ یہاں کے بچوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ایک بار اس نے بھی ان بچوں کے ساتھ ملکر یہ کھیل کھیلا تھا۔ ریل گاڑی سکوں پر سے گزرتی تو سارے سکے مقناطیس بن جاتے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ بھی ان کی ٹولی میں شامل ہو جائے لیکن فی الحال کافی پینا زیادہ اہم تھا۔

"سلام علیکم باجی۔" نسیم اندر داخل ہوئی تو فائزہ سامنے ہی بے حال سی کھڑی تھی۔ نسیم کو دیکھ کر اسے جیسے حوصلہ سا ہوا کونے میں کھڑا راجو گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" سلام کا جواب دینے کے بجائے اس نے ساتھ آئی سلطانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"جی باجی بہن ہے میری۔"

"اچھا اسے کپڑا پکڑا دو جھاڑ پونچھ شروع کرے اور تمہیں میں یہ راجو کے کپڑے صاف کر کے دیتی ہوں پہلے انہیں مشین

میں چلادو۔" وہ سامنے نلکے کے نیچے بالٹی میں پڑے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے پتہ نہیں چلا رات پھر پیشاب نکل گیا اس کا۔" فائزہ کے چہرے پر شدید تناؤ تھا غالباً راجو کی اس نے ابھی ابھی پٹائی کی تھی۔ جی باجی، نسیم واشنگ مشین نکالنے کے لیے سٹور کی طرف بڑھ گئی۔ "فائزہ نے کپڑوں کو پانی سے نکال کر نیچے رکھا پھر راجو کا بازو زور سے دبوچ کر تقریباً اسے گھسیٹتے ہوئے غسل خانے میں لے گئی۔

"باجی تو بڑی غصّے والی ہے سلطانہ نسیم کے کان میں گھس کر بولی تھی۔

"نہیں غصّے والی نہیں ہے بہت اچھی ہے بس جب یہ راجو کوئی ایسا کارنامہ کر دیتا ہے تو موڈ آف ہو جاتا ہے باجی کا۔" وہ مشین میں پائپ سے پانی بھرتے ہوئے بولی تھی۔

نسیم کپڑے دھو کر ساتھ والے گھروں میں کام کرنے چلی گئی تھی اس نے اسی گلی میں دو گھر اور اٹھا رکھے تھے جبکہ سلطانہ نے آج اسکے گھر کی صفائی کی تھی۔ سلطانہ کام ختم کر کے صحن میں نسیم کے انتظار میں بیٹھی تھی سامنے راجو پچھلے دو گھنٹے سے سہما سہما کرسی پر بیٹھا تھا وہ خوف کے مارے ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ تاسف سے اسے دیکھتی رہی اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔ وہ سر کو ہر تھوڑی دیر بعد گھماتا تھا اور منہ سے کوئی آواز نکالتا تھا شاید کچھ کہتا تھا پھر خاموشی سے میز پر پڑی سیبوں کی ٹوکری کو تکنے لگتا۔

حمزہ کے آنے پر فائزہ کتنی ہی دیر راجو کا رونا روتی رہی تھی۔ سلطانہ نے دیکھا فائزہ کے جملے میں اس کا نام آتے ہی اس کے چہرے پر پھیلی وحشت بڑھ جاتی تھی۔ وہ کچھ بڑبڑاتا تھا عجیب سے لفظ جو سمجھ نہیں آتے تھے۔ اندر حمزہ ہمیشہ کی طرح خاموشی سے فائزہ کو سنتا رہا جب تک کہ اس کے اندر کی بھڑاس پوری طرح نکل نہیں گئی۔ دلاسہ دینے کیلیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اس مسئلے کا حل صرف ایک تھا، صبر اور وہ صبر کر نہیں پا رہی تھی۔ سو وہ خاموشی سے ہر دفعہ اسے روتے دھوتے دیکھتا رہتا تھا۔ جب رو دھو کر فائزہ کا دل ہلکا ہو گیا تو حمزہ نے اسے یاد دلایا کہ آج اسے ہمسائی کے ساتھ بازار جانا تھا۔ اس نے رات ہی حمزہ سے پیسے لئے تھے سیزن آف ہو رہا تھا اس لیے ہر طرف سیل لگی ہوئی تھیں۔ بازار ہو آؤ دھیان بھی بٹ جائے گا حمزہ نے روٹی کا نوالہ سالن میں بگھوتے ہوئے اس سے کہا۔ اسے بھی اس ڈیپریشن سے وقتی فرار کی یہی راہ نظر آئی تھی صبح سے وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔

"دودھ دیا ہے میں نے اسے ابھی باہر بیٹھا پی رہا ہے، سارہ اور نیہا کو ہوم ورک کروا دیا ہے وہ دونوں اپنے کمرے میں کارٹون دیکھ رہی ہیں۔" وہ چادر اوڑھتے ہوئے بولی تھی۔

حمزہ نے جواب میں اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اب موڈ ٹھیک کر لو اپنا۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے اتنے بڑے بچے کے پیشاب والے کپڑے دھونا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ا"س نے ڈریسنگ ٹیبل سے پرس اٹھایا تھا آنکھوں کے پپوٹے بھاری اور سرخ ہو رہے تھے۔ نسیم پتا نہیں کدھر رہ گئی ہے۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی تو نسیم بھی آچکی تھی۔

"ہو گیا کام۔"

"جی باجی جی۔"

"چلو اب گھر جاؤ کل آنا۔"

"ٹھیک ہے جی۔" باجی وہ میں نے سلطانہ کو بتایا تھا باجی بڑی اچھی کافی پلاتی ہے۔

"اچھا۔" وہ پرس کھول کر پیسے چیک کر رہی تھی سنے بغیر بولی۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں باجی۔"

"ہاں بازار جا رہی ہوں۔"

"باجی میں خود کافی بنا۔۔۔"

"کل بنا کر پلا دوں گی شاباش ابھی گھر جاؤ۔ وہ پرس کی زپ بند کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا جی باج۔ی نسیم نے سلطانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جس کی آنکھوں کی جوت یکدم بجھی تھی۔

"گیٹ بند کر لیں۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے حمزہ کو پکار کر کہا۔

وہ لوگ آگے پیچھے باہر نکلی تھیں۔

"میں تجھے دکان سے لے دوں گی دل چھوٹا نہ کر تو۔"

"نہیں کوئی بات نہیں میں کل آجاؤں گی تیرے ساتھ۔"

"اتنی دور دوبارہ آئے گی۔۔۔"

"ہاں آجاؤں گی۔۔۔ تیری بڈھی کھوسٹ ساس کے پاس بیٹھ کر میں نے کیا کرنا ہے۔" وہ اسکے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"اور باقی باجیاں نہیں پیتی کافی۔" سلطانہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا

"جھلی۔" نسیم کو ہنسی آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"اف چھوٹا سا رومال ہے اور قیمت دیکھو دو ہزار۔۔۔" نائلہ نے ہزار کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔

"اور ظلم دیکھو سیل میں۔۔۔" فائزہ کو بھی صدمہ سا ہوا تھا۔ وہ دونوں کسی برینڈڈ سٹور میں کھڑی تھیں۔ دونوں کو سیل میں پڑے سکارف کی قیمت دیکھ کر جی بھر کے غصہ آیا تھا۔

"ان سٹورز میں تو سیل میں بھی آنے کا فائدہ نہیں۔" نائلہ نے تاسف سے کہا تھا۔ وہ شاپنگ تقریباً مکمل کر چکی تھیں نائلہ کو اپنی بیٹی کے سوٹ کے ساتھ میچنگ سکارف چاہیے تھا گھنٹہ بھر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد ملا بھی تو اسکی قیمت انہیں ہضم نہیں ہوئی یتھی۔

"چلو نکلتے ہیں اب سکارف ان کے ساتھ جا کر کہیں اور سے دیکھ لوں۔" گی وہ فائزہ سے بولی تھی۔ دونوں سٹور سے باہر نکلی آئیں۔

"تم گئی سامنے؟" دونوں اب سڑک پر رکشے کے انتظار میں کھڑی تھیں نائلہ نے اشتیاق سے پوچھا فائزہ کے گھر کے سامنے نئے کرائے دار آئے تھے۔

"نہیں۔۔۔ وقت ہی نہیں ملا مجھے۔" فائزہ نے رکشے کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"سامان اترتے تو دیکھا تھا میں نے۔"

"اب تو انکے منتقل ہوئے دو ہفتے ہو گئے ہیں۔" نائلہ نے سامنے سے آتے رکشے کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ دیا۔

"میں تو ہو آئی ہوں ان کے گھر، طلاق یافتہ ہے اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔"

"طلاق یافتہ ہے۔۔۔" فائزہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں بچے کی وجہ سے۔۔۔" نائلہ ابھی اسے بتا ہی رہی تھی کہ رکشے والے نے ان کے سامنے بریک لگائی۔ دونوں کرایہ پوچھ کر فوراً سوار ہو گئیں۔

"کل شام ان کے بیٹے کا انٹرویو کرنے اخبار والے آرہے ہیں۔"

"کیوں؟" فائزہ نے پرس سے موبائل نکالتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

"اپنے سکول کی طرف سے وہ اب تک کا سب سے بہترین کارکردگی دکھانے والا بچہ منتخب ہوا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کسی نامی گرامی سکول میں پڑھتا ہے۔" فائزہ موبائل پر حمزہ کا پیغام پڑھتے ہوئے بولی۔

"ماں کی محنت کے بغیر سکول والے کچھ نہیں کر سکتے، اس کی ماں نے اسکی تربیت کرنے میں کمال کر دیا ہے۔ میں تو اس بچے سے بات کر کے اور اس کی بنائی ی پینٹنگز اور چیزیں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔"

"ہنہ، میں بھی لگاتی ہوں کسی دن چکر۔" اس نے جواب دیتے ہوئے حمزہ کو کال ملائی۔

"ہاں میں بس تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہوں۔" فائزہ حمزہ کو فون پر کہہ رہی تھی جبکہ نائلہ اپنے حصے کا کرایہ پرس سے نکالنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"آج تمہاری بہن نہیں آئی؟" فائزہ نے نسیم کو اکیلے اندر داخل ہوتے دیکھ کر پوچھا تھا وہ کرسی پر براجمان اس وقت نسیم کی آمد کا ہی انتظار کر رہی تھی۔

"ہاں جی باجی رات اسکو بڑا تیز بخار چڑھ گیا تھا اس لیے نہیں لیکر آئی۔"

"اچھا بخار اتر جائے تو لیکر کر آنا میں نے اسکے لیے کچھ جوڑے نکالے ہیں۔"

"اچھا جی باجی۔" وہ لجاہت سے مسکرائی تھی۔

"میں تو سلطانہ کو کہہ رہی تھی میری باجی بہت اچھی ہے۔"

"اچھا تم کام شروع کرو۔" فائزہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی تھی آج ہانڈی صبح ہی بنالی تھی سو اس نے سامنے والوں کے ہاں جانے کا سوچا تھا۔

"راجو چھت پر ہے اس پر ذرا تھوڑی دیر بعد نظر ڈال آنا میں تھوڑی دیر میں یہ سامنے سے آتی ہوں۔"

"وہ جی باجی فکر نہ کرو آرام سے جاو جی۔" نسیم نے کہتے ہوئے بلاوجہ دانت نکالے تھے۔

فائزہ نے بریانی کی پلیٹ ایک ہاتھ میں تھام کر احتیاط سے دوسرے ہاتھ سے گھنٹی بجائی۔ اگلے ہی پل دروازہ کھل گیا۔

"میں یہ سامنے رہتی ہوں میرا نام فائزہ ہے۔" وہ اپنے روبرو کھڑی بے حد حسین عورت کو بریانی کی پلیٹ پکڑاتے ہوئے تھوڑا جھجک کر بولی تھی۔

"بے حد شکریہ میں شائستہ ہوں۔" اس نے پلیٹ تھامتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا گھٹنوں تک آتے بال چٹیا میں گندھے تھے، میک اپ سے بے نیاز نرمی اور حلاوت سے چمکتا چہرہ، نفیس سی شلوار قمیض میں ملبوس اسے دیکھ کر فائزہ کو عجیب سا احساس کمتری ہوا تھا۔ وہ تو ایسے ہی سر جھاڑ منہ پھاڑ اٹھ کر آگئی تھی۔ اسی احساس کمتری میں گھری وہ شائستہ کی تقلید میں چلتی سامنے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں دروازہ کھولنے والی عورت کی تقریباً ہمشکل ایک اور عورت وہیل چیئر پر بیٹھی تھی۔

"یہ میری امی ہیں۔" شائستہ نے اس سے اپنی ماں کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"امی یہ ہماری ہمسائی ہیں فائزہ۔"

"اسلام علیکم۔" فائزہ نے فوراً اسلام کیا

"وعلیکم سلام۔" وہ مسکرائی تھیں۔

"آو بیٹی بیٹھو۔"

"آپ دونوں باتیں کریں میں بس ابھی آئی۔ شائستہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی جبکہ وہ سامنے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ کمرے کی سجاوٹ اور نفاست گھر کے مکینوں کی اعلیٰ ذوق کی عکاسی کر رہی تھی وہ مرعوب ہوئی تھی۔

"کتنے بچے ہیں آپکے؟" ہمشکل بوڑھی عورت نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تین بچے ہیں۔"

"اچھا ماشاّاللہ۔"

"دو بیٹیاں ہیں اور ایک بچہ ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے۔" بتاتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح خود ترسی کا شکار ہوئی تھی۔

"دو بیٹیاں ایک بیٹا۔" انہوں نے جیسے اسکی تصیح کی تھی۔

"بیٹے کی بہت خواہش تھی مجھے مگر اللہ کو منظور نہیں تھا۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی تھی۔

"ایب نارمل بچہ تو بس ایک زندہ لوتھڑا ہوتا ہے ،وہ نہ بیٹا ہوتا ہے نہ بیٹی۔۔۔" وہ پہلی دفعہ ان سے بات کر رہی تھی مگر جانے کیوں اپنا دل کھول بیٹھی تھی اسے بات کرنے کے بعد پچھتاوا سا ہوا۔

"نہیں بیٹا ایسے اللہ کی تخلیق کی بے توقیری نہیں کرتے اس نے تمہیں بیٹا دیا ہے تو اس پر اس کا شکر ادا کرو۔"

"اللہ کا شکر۔" فائزہ کو انکی بات پر شدید حیرت ہوئی تھی۔

"ظاہر ہے جس پر گزرتی ہے وہ ہی جانتا ہے۔۔۔" اس نے آہ بھر کر سوچا۔

"اچھا یہ بتاو انسان بیٹے کی خواہش کیوں کرتا ہے؟" وہ اس کی کیفیت بھانپ گئی تھیں اب اس سے دوستانہ سے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"بیٹے کی خواہش تو انبیاء بھی کیا کرتے تھے۔ فائزہ نے مدلل جواب دینے کی کوشش کی،

"مگر انکی یہ خواہش خود کے لیے نہیں بلکہ دین کی سربلندی اور علم و دین کی وراثت کی منتقلی کے لیے ہوتی تھی۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"بیٹا وارث ہوتا ہے، اس سے نسل چلتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ بڑھاپے کا سہارا ہوتا ہے۔" فائزہ کو ان کا مسکرانا برا لگا تھا۔

"میرے چار بیٹے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

"مجھے بھی بڑی خواہش تھی بیٹوں کی ہر بار یہاں سے پورے دن کا سفر کر کے لاہور جاتی تھی داتا دربار منت مانگنے۔ ہر بار رب نے میری سنی میری خواہش پوری کی مگر پھر کیا ہوا اس حالت میں سہارا تو مجھے بیٹی نے دیا۔ وہ میری جائداد کے وارث ہیں، ان سے نسل چلی ہے مگر مجھے تو اس بات کی خوشی نہیں ہوتی اب۔ بعض اوقات خواہش پوری ہو جاتی ہے تب احساس ہوتا ہے حاصل بے وقعت ہے بے فائدہ، کبھی کبھی حاصل اور لاحاصل برابر ہو جاتے ہیں۔" ان کی نظریں بولتے ہوئے کسی غیر مرئی نقطے پر جا ٹھہری تھیں۔ فائزہ جواب میں کچھ بول نہیں سکی۔

اتنے میں شائستہ ٹرے میں چائے کے لوازمات سجائے داخل ہوئی۔

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی اسے یکدم شرمندگی نے گھیرا تھا۔

"کیوں نہیں تھی آپ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس سے بولی۔ چائے کے دوران باتوں باتوں میں اس نے اپنے بیٹے کے انٹرویو کا ذکر کیا تھا جس کے لیے اخبار والوں نے شام کو آنا تھا فائزہ کو اس کے خوشی سے دمکتے چہرے اور لہجے میں چھپے تفاخر سے عجیب سا حسد محسوس ہوا تھا۔

"واقعی جب خود کے پاس نعمت ہو تو دوسروں کو اسی نعمت کے نہ ہونے پر صبر کا درس دینا بڑا آسان ہوتا ہے۔" اس نے شائستہ کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے قنوطیت سے سوچا تھا۔

چائے کے بعد شائستہ اسے دوسرے کمرے میں اپنے بیٹے کی بنائی پینٹنگز اور ہاتھ سے بنائی چیزیں دکھانے لے کر آئی تھی جن کی وجہ سے وہ بہترین طالب علم کے طور پر چنا گیا تھا۔

"وہ میرے لیے کاملیت کی مکمل تعریف ہے۔"

"نام کیا ہے آپ کے بیٹے کا۔"

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نام تو ان کا عبدالباسط رکھا تھا مگر چونکہ وہ ہر کام اپنی من مرضی سے کرتے ہیں تو ہم انہیں پیار سے نواب دل کہتے ہیں۔" وہ محبت سے لبریز لہجے میں بولی تھی۔

بظاہر وہ پینٹنگز بہت خاص نہیں لگتی تھیں مگر ایک بچے کے لحاظ سے وہ واقعی کمال کی تھیں۔ شائستہ نے اسے پینٹنگز کے بعد نواب دل کی ہاتھ سے بنائی مٹی، پلاسٹک، کپڑے اور کاغذ کی ڈھیر ساری چیزیں بھی دکھائیں۔

"کیا عمر ہے آپکے بیٹے کی۔" اس نے اسکی بنائی چیزیں دیکھتے ہوئے متاثر سا ہو کر پوچھا تھا۔

"گیارہ سال۔"

"راجو کا ہم عمر ہے۔" اس نے بے اختیار سوچا۔ سامنے دیوار پر نواب دل کی اپنے دوستوں کے ساتھ تصویریں لگی ہوئی تھیں کسی تصویر میں سب دوست ڈنر کر رہے تھے، کسی میں پارک میں بیٹھے نظر آ رہے تھے، کچھ تصاویر گروپ سٹڈی کرتے ہوئے تھیں۔

"اس عمر میں آپ باہر پارٹیز میں جانے دیتی ہیں؟ اسے تصویروں میں کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا سر جھٹکتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں میں خود لے جاتی ہوں باقی سب کی مائیں بھی آتی ہیں ہماری بھی گپ لگ جاتی ہے۔ کبھی کسی ریستوران اور کبھی کسی کے گھر میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔" فائزہ نے نواب دل کی نظم پڑھتے ہوئے لی گئی فوٹو دیکھتے ہوئے اسے کہتے سنا تھا۔ اسکے بال بالکل ماں کی طرح تھے سلکی ماتھے پر گرے ہوئے، روشن روشن آنکھیں، دانت بالکل راجو کی طرح بڑے بڑے تھے مگر دودھ جیسے سفید تھے۔ وہ جانے کیوں بے اختیار ہر بچے کا موازنہ راجو سے کرنے لگتی تھی اسے یکدم دوبارہ شدید حسد محسوس ہوا تھا۔

"کہاں ہے آپکا بیٹا اس وقت۔" بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ رات دیر تک جاگتے رہے تھے اس لیے ابھی سو رہے ہیں میں ملوانے لاؤں گی آپ سے ان شاء اللہ۔"

"جی ضرور لائیے گا میرے بچے اس سے مل کر خوش ہوں گے۔" وہ اپنے اندر اٹھتا ملال چھپاتے ہوئے بولی۔

"جاب بھی کرتی ہے اور گھر بھی سنبھالتی ہے تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں شوہر کے کاموں کی کوئی ذمہ داری بھی تو نہیں ہے سر پر اور بچہ بھی ایک ہے تو ظاہر ہے پھر کہاں مشکل لگتا ہو گا۔" وہ بجھے دل سے لوٹ آئی تھی۔

"اتنی خوبصورت عورت کو کوئی طلاق کیسے دے سکتا ہے ضرور کوئی کارنامہ کیا ہو گا اب کی بار رقابت سے سوچا تھا اور ماں کو بھی اسی اکیلے پن کی وجہ سے ساتھ رکھا ہو گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے کافی کو گھونٹ بھر پانی میں ملا کر زور سے پھینٹا پھر اس میں گرم دودھ ڈالا دودھ کے ڈالتے ہی مگ میں جھاگ مچ گئی۔ کافی کی خوشبو اور رنگ سامنے کھڑی سلطانہ کے اشتیاق کو مزید شہ دے رہے تھے۔ اس نے فائزہ کے ہاتھ سے کافی کا مگ تبرک کی طرح احترام سے لیا تھا۔

شکریہ باجی۔ سلطانہ کا خوشی سے چمکتا چہرہ قابل دید تھا۔ فائزہ دھیمے سے مسکرائی۔

نسیم نے صبح ہی کافی پینے کے پیچھے اسکی پچھلے تین دن کی تگ و دو کی کہانی سنائی تھی۔

"یہ میں نے نکال کے رکھی ہے جاتے ہوئے ساتھ لے جانا۔" اس نے کافی کی نئی شیشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی باجی شکریہ۔" وہ مسرت سے بولی تھی۔

سلطانہ کو کافی دینے کے بعد وہ اخبار لیکر صحن میں پڑی کرسی پر براجمان ہو گئی۔ حسن سارہ اور نیہا کو پلے لینڈ لے گیا تھا، راجو حسب معمول چھت پر تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے نیچے صحن میں کھیلنے کی کوشش کی تھی اس نے واپس اوپر بھیج دیا تھا اس سے ہر وقت اس کے منہ سے ایک ہی بات کی تکرار برداشت نہیں ہوتی تھی جو وہ کھیلنے کے دوران کرتا تھا۔ یہ دروازہ اب تک کھلا ہے اس کی نظر اخبار کھولتے ہوئے گھر کے گیٹ پر پڑی تھی جس کا چھوٹا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔ اتفاقاً سامنے والے گھر کا گیٹ بھی اس وقت کھلا تھا۔ صحن میں نواب دل اور شائستہ نظر آرہے تھے اس نے پہلی بار نواب دل کو دیکھا تھا وہ تصویر سے کہیں زیادہ خوبصورت دکھتا تھا۔ وہ شائستہ کو کتاب کا صفحہ کھول کر کچھ دکھا رہا تھا۔

"ماما یہ کیا ہے؟"

"سین سے سائیکل، یہ ایک سواری ہے۔" شائستہ نے آفس کی فائل کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے جواب دیا نواب دل نے اس کے گرد چکر لگایا اور اندر دوڑ گیا۔ فائزہ تک ان کی آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں وہ کچھ پل ایسے ہی دیکھتی رہی پھر گہری سانس لیتے ہوئے اخبار کا اندر والا صفحہ کھولا تو چونک سی گئی وہاں نواب دل کی ہی تصویر تھی۔ اس کا اور شائستہ کا انٹرویو چھپا تھا۔ اس نے تجسس کے عالم میں پڑھنا شروع کیا۔ انٹرویو کے آغاز میں ہی وہ بالکل ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔ جھٹکا شدید تھا، نواب دل بھی اسکے راجو کی طرح ذہنی طور پر نارمل نہیں تھا۔ مگر اس انٹرویو میں اس سے بھی زیادہ کچھ تھا جس کی وجہ سے اس کا دل پاش پاش ہوا تھا۔

"جب جانوروں کو سدھا کر تمیز سکھائی بجا سکتی ہے، جب طوطے کو بولنا سکھایا جا سکتا ہے تو ایک انسان کو کیوں نہیں تربیت دی جا سکتی پھر چاہے وہ ذہنی طور پر کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ شائستہ کے لفظ تھے یا شرارے جو اڑ اڑ کر اسکی آنکھوں میں، اس کے چہرے پر پڑ رہے تھے۔

"ذہنی طور پر معذور انسان بھی جانوروں سے تو بہتر ہوتے ہیں، وہ یقینی طور پر ان سے افضل ہیں اور ہم ان سے جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں انہیں بد دعا سمجھتے ہیں۔ ہم کیوں نہیں ادراک کر پاتے کہ یہ اللہ کی خاص نشانی ہیں۔ ہم اللہ کی نشانی کی بے حرمتی کیسے کر سکتے ہیں۔ یاد رکھیں ہم ان کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔" اس نے پڑھتے پڑھتے دھند بھری نظروں سے سامنے دیکھا شائستہ صحن میں بیٹھی فائلوں پر جھکی ہوئی تھی نواب دل اب بھی اس سے کتاب کھولے کچھ پوچھ رہا تھا اس نے سر اٹھا کر جواب دیا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتے گیٹ کی طرف بڑھی اسے اچانک سمجھ میں آیا کہ اس دن ان تصویروں میں اسے کیا عجیب لگا تھا، ذہن میں اس پل نائلہ کی آواز گونجی اسے اپنے بچے کی وجہ سے طلاق ہوئی ہے۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے دیکھا نواب دل اس کے گرد پھر چکر لگا کر کمرے میں غائب ہوا تھا۔ وہ وہیں کھڑی رہی نواب دل نے واپس آکر اس سے کتاب کے

صفحے پر انگلی رکھ کر کتنی بار کا پوچھا سوال پھر پوچھا تھا یہ کیا ہے، وہاں گیٹ پر وہ ان دونوں کی آوازیں سن سکتی تھی۔

"سین سے سائیکل، یہ ایک سواری۔" ہے اب کی بار شائستہ نے جواب دیتے ہوئے اسکا ماتھا چوما تھا۔فائزہ نے جانے کیوں اس پل نظریں چرائیں تھیں وہ دروازہ بند کر کے مڑی تو اچانک نگاہ باورچی خانے کی کھڑکی سے نظر آتی سلطانہ پر پڑی۔اسکے چہرے پر کوفت تھی، مایوسی اور شدید ناپسندیدگی شاید اسکو کافی پسند نہیں آئی تھی۔اگلے پل اس نے دیکھا کہ سلطانہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی پھر احتیاط سے کافی کا مگ بیسن میں الٹا دیا اس وقت زندگی اپنی پوری جہتوں کے ساتھ اس کے سامنے واضح ہو گئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" نواب دل کتاب کے ایک صفحے پر انگلی رکھے پوچھ رہا تھا۔

"سین سے سائیکل، یہ ایک سواری ہے۔" شائستہ سو دفعہ کا دیا ہوا جواب پھر دہرا رہی تھی۔نواب دل کے زندگی سے بھرپور قہقہے کی آواز وہاں رقص کرنے لگی وہ ماں کے گرد چکر لگا رہا تھا، خوشبودار کافی کا سیال دائرے میں سفر کرنے کے بعد ٹپ ٹپ ٹپ باورچی خانے میں بنے بیسن کے سوراخ سے گٹر میں اتر رہا تھا، اوپر چھت پر راجو دیوار کے اوپری حصے پر منہ رکھے گلی میں گولے والے کو دیکھ رہا تھا اسکے منہ سے رال بہہ کر دیوار کو گیلا کر رہی تھی ساتھ عجیب سی گڑگڑاہٹ کی آواز نکل رہی تھی، وہاں کرسی کے پاس زمین پر اخبار کے صفحے پھڑ پھڑا رہے تھے جس میں نواب دل کی ٹرافی لیتے ہوئے بڑی سی تصویر تھی یکدم فائزہ کی آنکھوں سے سیلاب امڈتا چلا آیا تھا۔وہ ادراک کا لمحہ تھا شدید تکلیف بھرا لمحہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

اس ناول پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com